قادری فینومینا(Phenomenon)

مستقبل

فرخ سہیل گوئندی

12-10-2013

ڈاکٹر طاہر القادری کی آمد کے بعد پاکستان کی سیاست کو ان کے 23 دسمبر کے جلسے اور اب 14 جنوری کو اُن کے اسلام آباد کی طرف مارچ کے حوالے سے دیکھا جا رہا ہے۔ 23 دسمبر کا جلسہ موجودہ دِنوں کی سیاست میں سنگ میل ہے کیوں کہ اسی مقام پر سونامی برپا کرنے والوں کا دعویٰ تھا کہ وہ اب 1970ء کی یادیں بھلا دیں گے کہ جس میں ذوالفقار علی بھٹو جیسے Legendary رہنما نے حقیقی بنیادوں پر پاکستان میں سیاست کے پیمانے ہی بدل ڈالے۔ جب 23 دسمبر کو ''مقامِ سونامی'' پر ایک جماعت نے پاکستان تحریک انصاف سے کہیں بڑا جلسہ کر ڈالا تو سیاست کے برزجمہر تو درکنار صحافت کے کھلاڑی بھی حیران ہوئے جا رہے ہیں۔ دراصل یہ ان لوگوں کی زمینی حقیقتوں سے متعلق کم علمی ہے جس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ''تجزیہ نگار'' اور سیاست کار صرف اپنی ناک کے نیچے ہی دیکھ سکتے ہیں۔ طاہر القادری، پاکستان میں اپنی فلاحی تنظیموں کا ہی وسیع نیٹ ورک نہیں رکھتے بلکہ مذہبی حوالے سے اُن کی وسیع Following بھی ہے۔ جب ملک کی بڑی بڑی سیاسی جماعتیں، حقیقی سیاسی نظریاتی بنیادوں سے ہٹ جائیں اور وہ شخصیات اور حقیقی سیاسی ایشوز کی بجائے سطحی قانونی آئینی حکمرانی کی بحثوں میں الجھ چکی ہوں تو ایسے میں وہ قوتیں اس خلا کو پُر کر دیتی ہیں جو زیادہ منظم ہوں اور ریڈیکل سیاسی و سماجی دعوے کریں۔

منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے جلسے میں شامل لوگ سیاسی بھی تھے اور اپنے قائد سے مذہبی عقیدت بھی رکھتے ہیں اور اس پلیٹ فارم پر ڈاکٹر طاہر القادری نے جو تقریر کی وہ خاندانی اور شخصیت پرستی کی سیاست سے مبرا ہی نہیں تھی بلکہ اس تقریر میں انہوں نے حکمران طبقات اور اشرافیہ کو بھی چیلنج کیا۔ انہوں نے اس تقریر میں آئین کے آرٹیکل تین کے عمل درآمد پر بھی زور دیا جس پر پاکستان کے کسی بھی سیاست دان اور رہنما نے کبھی بات ہی نہیں کی، آئین کی یہ وہ شق ہے جس کے تحت پاکستان میں درمیانے اور محنت کش طبقات کے حقوق کو تحفظ دیا گیا ہے۔ اس شق کے تحت جاگیرداری اور سرمایہ داری کے شکنجوں کو قانونی دائروں میں رہ کر توڑا جا سکتا ہے۔ علامہ طاہر القادری کی تقریر اور جلسے نے انتخابات کے قبل فیصلوں کو بھی متاثر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں ایک طرف سونامی برپا کرنے والے ورطہ حیرت میں ہیں اور وہ اس تقریر کی مذمت کر رہے ہیں نہ ہی حمایت، اسی طرح دوسری طرف پاکستان مسلم لیگ (ن) نے کھل کر ڈاکٹر طاہر القادری کی مذمت کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ حکمران جماعت کے شریک چیئرپرسن اور صدرِ مملکت آصف علی زرداری کئی دنوں سے وفاقی دارالحکومت میں بیٹھنے کی بجائے سندھ کے صوبائی دارالحکومت میں قیام پذیر ہیں اور اس تحریر کی اشاعت کے صرف ایک دن بعد ڈاکٹر طاہر القادری، اسلام آباد کے لیے روانہ ہو چکے ہوں گے۔ امکان یہ ہے کہ اگر صوبائی اور وفاقی حکومتیں اُن کے پُرامن جلوسوں میں رکاوٹیں کھڑی نہ کریں تو اسلام آباد اپنی تاریخ کے ایک بڑے اجتماع سے ہمکنار ہوگا۔ اسلام آباد کی طرف شیخ الاسلام کا قافلہ قبل از انتخابات کی صورتِ حال پر گہرے اثرات مرتب کرے گا اور اگر ان قافلوں میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں اور دوسرے گروہ تشدد کا استعمال کرتے ہیں تو اس کے پاکستان کے حالات پر گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ 23 دسمبر کے بعد پاکستان میں ایک ایسے مذہبی رہنما کی آمد ہوئی ہے جو دہشت گردی اور خودکش حملوں کی مذمت کرتا ہے اور اگر اس فرقے کے لوگوں پر دہشت گردی کی گئی تو ردِعمل میں اس اکثریتی فرقے کے لوگ مستقبل میں مسلح ہونے کی طرف راغب کیے جا سکتے ہیں

اور یوں پاکستان ایک ایسی خطرناک مسلح لڑائی میں چلا جائے گا جس کا اندازہ شاید ہی کوئی کر سکے۔

پاکستان کے بارے میں امریکہ اور اس کی نوّے تک کی دہائی کے اتحادی مذہبی سیاست کرنے والے، کمیونزم اور سوویت یونین اور بھارت کو پاکستان کے لیے خطرہ قرار دیتے تھے، لیکن تاریخ نے ثابت کیا کہ پاکستان کی ریاست کو خطرات سرحدوں کے پار سے کم اور سرحدوں کے اندر سے زیادہ ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ 9 ستمبر 2001ء کے بعد پاکستان دہشت گردی کی نام نہاد جنگ میں کچھ ایسے دھنستا چلا جا رہا ہے کہ جس کی دلدل سے واپسی مشکل امر بنتی جا رہی ہے اور اب دہشت گردی پاکستان کے شہر شہر تک پھیل چکی ہے۔ ایسی فضا میں وہ مذہبی اکثریت جو صوفیائے کرام کے پُرامن فلسفے پر یقین رکھتی ہے، اگر اُن کے مابین دہشت گردی پھیلا دی گئی تو پاکستان کے اندرونی خطرے مزید بڑھ جائیں گے۔ اس تناظر میں اسلام آباد میں منعقد کیا جانے والا مارچ صرف قبل از انتخابات کے حوالے ہی سے اہم نہیں بلکہ پاکستان کی خوف و دہشت کی فضا کو اس وقت مزید تیز کر دے گا جب اس اجتماع برپا کرنے والوں کو ممکنہ حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔

پاکستان کی بڑی سیاسی جماعتیں جن کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے پاکستان میں جمہوریت کو مضبوط کیا ہے، یہ اُن کی ناکامی ہے کہ پاکستان کے لوگ سیاست میں معاشی، اقتصادی، سیاسی اور طبقاتی بنیادوں پر جدوجہد کرنے کی بجائے ''خاندانوں کے عشق''، موروثیت کی سیاسی علمبرداری اور سطحی سیاسی ایشوز پر متحرک کیے گئے۔ پاکستان میں رائج نیم سرمایہ داری جمہوریت جس پر جاگیرداری، قبائلی اور خاندانی حکمرانی کا غلبہ ہے، اگر اس کی بجائے لوگوں کو ان کے حقوق پر متحرک کیا جاتا تو لوگ روحانی استحصال (Spiritual Exploitation) کا شکار نہ ہوتے، اور ایسے میں نہ خودکش حملہ آور جنم لیتے اور نہ ہی لوگ فرقوں اور مذہبی گروہوں میں تقسیم ہوتے۔ قومیں سیاسی بنیادوں پر منظم ہوتی ہیں۔ جمہوریت کی دعوے دار جماعتیں اس جرم کی ذمہ دار ہیں۔ اگر انہوں نے لوگوں کو ایشوز پر منظم نہ کیا تو لوگ فرقوں کی بنیاد پر ہی منظم ہوں گے۔ سیاست میں لوگ سیاسی رہنماؤں کے مداح ہوتے ہیں اور مذہب میں لوگ مذہبی رہبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔ پاکستان کی بکھرتی ریاست کو یہ رجحانات کسی گھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ سماج فرقوں اور Sub-Nationalism کی بنیادوں پر تقسیم ہو رہا ہے۔ یہ خطرناک رجحانات ہیں۔ لہٰذا اس سارے منظرنامے کا تفصیلاً تجزیہ کیا جانا چاہیے۔

اس پس منظر میں اپنے ملک کے معروف اور سینکڑوں تجزیہ نگاروں سے بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ 23 دسمبر کے بعد انہوں نے ڈاکٹر طاہر القادری کے بارے میں جس تضحیک بھرے انداز میں مقابلے میں آ کر مزاح کرنے کی دوڑ لگائی ہوئی ہے، اس سے اجتناب برتیں۔ اہل قلم پر لازم ہوتا ہے کہ معاشرے میں احترامِ آدمیت کی ثقافت پیدا کی جائے۔ اختلاف بنیادی حق ہے اور مزاح زندگی کی علامت، لیکن مزاح جب تضحیک آدمیت کے دائروں کو چھو جائے تو تشدد جنم لیتا ہے۔ تصور کریں اگر ڈاکٹر طاہر القادری کے لوگ خدانخواستہ بندوق اٹھا لیں تو پھر یہ تجزیہ نگار یہی زبان استعمال کریں گے جو مزاح کے نام پر تحریروں میں استعمال کی جا رہی ہے؟ کیا یہ تجزیہ نگار، پاکستان کے کسی مسلح گروہ کے بارے میں یہ زبان استعمال کر سکتے ہیں؟ خدارا، بکھرتے سماج کو جوڑنے کی ضرورت ہے۔ اہل قلم اور تجزیہ نگاروں کو چاہیے کہ احترامِ آدمیت کی ثقافت کو پروان چڑھائیں۔ اُن پر سیاسی قیادت سے کہیں زیادہ ذمہ داریاں ہیں۔

اسلام آباد میں 14 جنوری کو ڈاکٹر طاہر القادری کا مارچ ایک اہم موضوع ہے اور حساس صورتِ حال بھی۔ اس کے سیاسی اور سماجی پہلوؤں کا احتیاط اور ذمہ داری سے تجزیہ کیا جانا چاہیے۔